بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

آج ہم کو اس سوال پر غور کرنا ہے کہ ہندوستان میں اسلامی قومیت کا وہ نصب العین، جس کو ہم نے اشاعت گذشتہ میں بیان کیا تھا، کس طریقہ سے حاصل ہو سکتا ہے۔ جہاں تک ہم کو معلوم ہے اس نصب العین سے کسی "مسلم" فرد یا گروہ کو اختلاف نہیں۔ اختلاف جو کچھ بھی ہے اس امر میں ہے کہ ہمارے لیے صحیح راستہ کونسا ہے۔ اب ہمیں اُن مختلف راستوں پر ایک تنقیدی نگاہ ڈالنی چاہیے جو ہمارے سامنے ہیں۔ اس کے بعد راہ راست خود واضح ہو جائیگی۔

ہندوستان میں ہماری دو حیثیتیں ہیں۔ ایک حیثیت ہمارے "ہندوستانی" ہونے کی ہے، اور دوسری حیثیت "مسلمان" ہونے کی۔

پہلی حیثیت میں ہم اس ملک کی تمام دوسری قوموں کے شریک حال ہیں۔ ملک افلاس اور فاقہ کشی میں مبتلا ہوگا تو ہم بھی مفلس اور فاقہ کش ہونگے۔ ملک کو لوٹا جائے گا تو ہم بھی سب کے ساتھ لوٹے جائیں گے۔ ملک میں جور وظلم کی حکومت ہوگی تو ہم بھی اُسیطرح پامال ہوں گے جس طرح ہمارے اہل وطن ہوں گے۔ ملک پر غلامی کی جو سے بحیثیت مجموعی جتنی مصیبتیں نازل ہوں گی، جتنی لعنتیں برسیں گی، ان سب میں ہم کو برابر کا حصہ ملیگا۔ اس لحاظ سے ملک کے جتنے سیاسی اور معاشی مسائل ہیں وہ سب کے سب ہمارے اور دوسری اقوام ہند کے درمیان مشترک ہیں۔ جس طرح ان کی فلاح و بہبود ہندوستان کی آزادی کے ساتھ وابستہ ہے اسی طرح ہماری بھی ہے۔ سب کے ساتھ ہماری بہتری بھی اس پر منحصر ہے کہ یہ ملک ظالموں کے تسلط سے آزاد ہو، اس کے وسائل ثروت

اسی کے باشندوں کی بہتری اور ترقی پر صرف ہوں، اس کے بسنے والوں کو اپنے افلاس، اپنی جہالت، اپنی اخلاقی پستی، اور اپنی تمدنی پسماندگی کا علاج کرنے میں اپنی قوتوں سے کام لینے کے پورے مواقع حاصل ہوں، اور کوئی جابر قوم ان کو اپنی ناجائز اغراض کے لیے آلہ کار بنانے پر قادر نہ رہے۔

دوسری حیثیت میں ہمارے مسائل کچھ اور ہیں جن کا تعلق صرف ہم ہی سے ہے۔ کوئی دوسری قوم ان میں ہماری شریک نہیں ہے۔ اجنبی استیلا نے ہمارے قومی اخلاق کو، ہماری قومی تہذیب کو، ہمارے اصول حیات کو، ہمارے نظام جماعت کو زبردست نقصان پہونچایا ہے۔ ڈیڑھ سو برس کے اندر غلامی ان تمام بنیادوں کو گھن کی طرح کھا گئی ہے جن پر ہماری قومیت قائم ہے۔ تجربے نے ہم کو بتا دیا ہے اور روز روشن کی طرح اب ہم اس حقیقت کو دیکھ رہے ہیں کہ اگر یہ صورت حال زیادہ مدت تک جاری رہی تو ہندوستان کی اسلامی قومیت رفتہ رفتہ گھل گھل کر طبعی موت مرجائیگی، اور یہ برائے نام ڈھانچہ جو باقی رہ گیا ہے یہ بھی باقی نہ رہے گا۔ اس حکومت کے اثرات ہم کو اندر ہی اندر غیر مسلم بنائے جا رہے ہیں، ہمارے دل و دماغ کی تہوں میں وہ جڑیں سوکھتی چلی جا رہی ہیں جن سے اسلامیت کا درخت پیدا ہوتا ہے۔ ہم کو وہ حشیش پلایا جا رہا ہے جو ہماری ماہیت کو بدل کر خود ہمارے ہی ہاتھوں سے ہماری مسجد کو منہدم کرا دے۔ جس رفتار کے ساتھ ہم میں یہ تغیرات ہو رہے ہیں ان کو دیکھتے ہوئے ایک مبصر اندازہ لگا سکتا ہے کہ اس عمل کی تکمیل اب بہت قریب آ لگی ہے۔ زیادہ سے زیادہ تیسری چوتھی پشت تک پہنچتے پہنچتے ہمارا سواد اعظم خود بخود غیر مسلم بن جائے گا، اور شاید گنتی کے چند نفوس، اس عظیم الشان قوم کے مقبرے پر آنسو بہانے کے لیے باقی رہ جائیں گے۔ پس ہماری قومیت کا بقا و تحفظ اس پر منحصر ہے کہ ہم اس حکومت کے تسلط سے آزاد ہوں، اور اُس نظام اجتماعی کو از سر نو قائم کریں جس کے مٹ جانے ہی کی بدولت ہم پر یہ مصائب نازل ہوئے ہیں۔

ہماری یہ دونوں حیثیتیں باہم متلازم ہیں۔ ان کو نہ عقلاً منفک کیا جا سکتا ہے، نہ عملاً۔

یہ بالکل صحیح ہے کہ آزادی ان دونوں حیثیتوں سے ہماری مقصود ہے۔ اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ ہندوستانی ہونے کی حیثیت سے جتنے مسائل ہمارے اور تمام دوسرے باشندگان ہند کے درمیان مشترک ہیں اُن کو حل کرنے کے لیے مشترک طور پر ہی جدوجہد کرنی چاہیے، اور یہ بھی سراسر درست ہے کہ مسلم ہونے کی حیثیت سے جو آزادی ہم چاہتے ہیں، وہ بھی بہر طور ہمیں اسی وقت حاصل ہو سکتی ہے جبکہ ہمیں ہندوستانی ہونے کی حیثیت سے آزادی حاصل ہو جائے۔ لیکن یہ تماثل اور توافق جو بادی النظر میں دکھائی دیتا ہے، اس میں ایک بڑا دھوکا چھپا ہوا ہے، اور درحقیقت اسی مقام پر بہت سوں نے دھوکا کھایا ہے۔

غائر نگاہ سے آپ دیکھیں گے تو معلوم ہو گا کہ یہ کوئی سیدھی سڑک نہیں ہے جس پر آپ آنکھیں بند کر کے بے تکان چلے جائیں۔ ٹھیک اسی مقام پر جہاں آپ آکر ٹھیرے ہیں ایک دوراہہ موجود ہے۔ دو سڑکیں بالکل مختلف سمت پر جا رہی ہیں اور آپ کو قدم اٹھانے سے پہلے عقل و تمیز سے کام لے کر فیصلہ کرنے کی ضرورت ہے کہ جانا کدھر چاہیے۔

آزادی وطن کا ایک راستہ وہ ہے جس کو ہم صرف ہندوستانی ہونے کی حیثیت سے اختیار کر سکتے ہیں۔ اس راہ کے بنانے والے اور اس پر ہندوستان کو چلانے والے وہ لوگ ہیں جن کے پیش نظر "وطنی قومیت" کا مغربی تصور ہے، اور اس تصور کی تہ میں انسانیت کا ہندو تصور گہرا جما ہوا ہے۔ ان کا منتہائے مقصود یہ ہے کہ ہندوستان میں مختلف قومی امتیازات جو مذہب اور تہذیب کی تفریق پر قائم ہیں مٹ جائیں اور سارا ملک ایک قوم بن جائے۔ پھر اس "قوم" کی زندگی کا جو نقشہ ان کے سامنے ہے وہ اشتراکیت، اور ہندویت سے مرکب ہے، اور اس میں مسلمانوں کے اصول حیات کی رعایت تو درکنار، اس کے لیے کوئی ہمدردانہ نقطۂ نظر بھی نہیں ہے۔ زیادہ سے زیادہ رعایت جس کی گنجایش وہ اس "ہندی قومیت" میں نکال سکتے ہیں وہ یہ ہے کہ جن معاملات کا تعلق انسان اور خدا کے مابین ہے ان میں ہر گروہ کو اعتقاد اور عمل کی آزادی حاصل رہے۔ مگر جو معاملات انسان اور انسان کے درمیان ہیں ان کو وہ خالص وطنیت کی بنیاد پر دیکھنا چاہتے ہیں (Organised religion)

یعنی ایسا مذہب ان کے نزدیک اصولاً قابلِ اعتراض ہے جو اپنے متبعین کو ایک مستقل قوم بناتا ہو اور اس کو تعلیم، معیشت، معاشرت، تمدن، اخلاق، اور تہذیب میں دوسرے مذاہب کے متبعین سے الگ ایک ڈھنگ اختیار کرنے اور ایک ضابطہ کی پابندی کرنے پر مجبور کرتا ہو۔ وہ ہندوستان کے موجودہ حالات کی رعایت ملحوظ رکھکر کچھ مدت تک اس قسم کے "منظم مذہب" کو ایک محدود اور دھندلی سی شکل میں باقی رکھنا گوارا کرلیں گے چنانچہ اسی گوارا کرلینے کے انداز میں انہوں نے ہندوستان کے مختلف فرقوں کو ان کی زبان اور "پرسنل لا" کے تحفظ کا یقین دلایا ہے، مگر وہ کسی ایسے نظام کو برداشت نہیں کرسکتے جو اس "منظم مذہب" کو مزید طاقت اور مستقل زندگی عطا کرنے والا ہو، بلکہ اس کے برعکس وہ ہندوستانِ جدید کی تعمیر اس طرز پر کرنا چاہتے ہیں جس میں یہ "منظم مذہب" رفتہ رفتہ مضمحل ہوکر طبعی موت مرجائے! اور ہندوستان کی ساری آبادی ایک ایسی قوم بن جائے جس میں سیاسی پارٹیوں، اور معاشی گروہوں کی تفریق تو چاہے کتنی ہی ہو، مگر تعلیم و تہذیب، تمدن و معاشرت، اخلاق و آداب اور تمام دوسری حیثیات سے سب ایک رنگ میں رنگے ہوئے ہوں، اور وہ رنگ فطرۃً وہی ہونا چاہیے جو اس تحریک کے محرکوں کا رنگ ہے۔

یہ راستہ جس کی خصوصیات کو آج ایک اندھا بھی دیکھ سکتا ہے، ہم صرف اُسی وقت اختیار کرسکتے ہیں جب کہ ہم اپنی دوسری حیثیت کو قربان کرنے پر راضی ہوجائیں۔ اس راستہ پر چل کر ہم کو وہ آزادی حاصل نہیں ہوسکتی جو ہمیں مسلمان ہونے کی حیثیت سے درکار ہے، بلکہ اس راستہ میں سرے سے ہماری یہ حیثیت ہی گم ہوجاتی ہے۔ اس کو اختیار کرنے کے معنی یہ ہیں کہ انگریزی حکومت کے ماتحت جس انقلاب کا عمل ڈیڑھ سو برس سے ہماری قوم میں ہورہا ہے وہ ہندوستانی حکومت کے ماتحت اور زیادہ شدت و سرعت کے ساتھ پایۂ تکمیل کو پہنچے اور اس کی تکمیل میں ہم خود مددگار بنیں اور وہ اتنا مکمل انقلاب ہو کہ پھر اس کے ردِ عمل کا کوئی امکان نہ رہے۔ انگریزی حکومت کے اثر سے مغربی تہذیب میں خواہ ہم کتنے ہی جذب ہوجائیں، بہرحال انگریزی قومیت

میں جذب نہیں ہو سکتے۔ بہرحال ہمارا ایک الگ اجتماعی وجود باقی رہتا ہے جس کا پھر اپنی سابقہ صورت پر واپس ہونا ممکن ہے لیکن یہاں تو صورت حال ہی دوسری ہے۔ ایک طرف ہمارے ہر امتیازی نشان حتی کہ ہمارے احساس قومیت تک کو طائفیت (Communalism) قرار دے کر اس کے خلاف نفرت انگیز پروپیگنڈا کیا جاتا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ ایک مستقل جماعت (Community) کی حیثیت سے ہمارا وجود ناقابل برداشت ہے۔ دوسری طرف ہماری قوم کے ان لوگوں کو (Nationalists) کہا جاتا ہے جو ہاتھ جوڑ کر نمستے کرتے ہیں، "بندے ماترم" کے نعرے لگاتے ہیں، مندروں میں پہنچ کر عبادت تک میں حصہ لے گذرتے ہیں، اپنی صورتوں اور لباسوں میں پورا ہندویت کا رنگ اختیار کرتے ہیں، اور مسلمان قوم کے مفاد کا نام تک لیتے ہوئے انھیں ڈر لگتا ہے کہ مبادا ان پر (Communalism) کا الزام نہ آجائے جو ان کے نزدیک کفر کے الزام سے زیادہ بدتر ہے۔ تیسری طرف ہم سے صاف کہا جاتا ہے کہ ایک جماعت بن کر نہ آؤ بلکہ افراد بن کر آؤ اور سیاسی پارٹیوں میں، مزدور اور سرمایہ دار کی تفریق میں، زمیندار اور کسان کی تقسیم میں، زر والے اور بے زر کے تنازع میں منقسم ہو جاؤ۔ بالفاظ دیگر اُس رشتے کو خود ہی کاٹ دو جو مسلم اور مسلم میں ہوتا ہے، اور اُس رشتہ میں بندھ جاؤ جو ایک پارٹی کے مسلم و غیر مسلم ممبروں میں ہوتا ہے اس کا نتیجہ جو کچھ ہے اسے سمجھنے کے لیے کچھ بہت زیادہ عقل و فکر کی ضرورت نہیں اس کا کھلا ہوا نتیجہ یہ ہے کہ تحریک آزادی وطن کے دوران ہی میں ہمارا اجتماعی وجود فنا بھی ہو جائے، اور ہم جدا جدا قطروں کی شکل اختیار کر کے جدید نیشنلزم کی خاک میں جذب بھی ہو جائیں۔ پھر بحیثیت مسلمان قوم کے آپ اپنی نشأۃ ثانیہ کا خواب بھی نہیں دیکھ سکتے۔

جو لوگ صرف ہندوستانی ہونے کی حیثیت سے آزادی چاہتے ہیں، اور جن کی نگاہ میں اس آزادی کے منافع اس قدر قیمتی ہیں کہ اپنی اسلامی حیثیت کو وہ بخوشی ان پر قربان کر سکتے ہیں، وہ اس راستہ پر ضرور جائیں۔ مگر ہم یہ تسلیم کرنے سے قطعی انکار کرتے ہیں کہ کوئی سچا مسلمان ایسی تحریک آزادی وطن میں جان بوجھ کر

حصہ لینا گوارا کریگا۔

آزادیٔ وطن کے لیے دوسرا راستہ صرف وہی ہو سکتا ہے جس میں کسی باشندۂ ہند کے ہندوستانی ہونے کی حیثیت اور اس کے مسلم یا ہندو یا عیسائی یا سکھ ہونے کی حیثیت میں کوئی تناقض نہ ہو، جس میں ہر گروہ کو دونوں حیثیتوں سے آزادی حاصل ہو، جس کی نوعیت یہ ہو کہ مشترک وطنی مسائل کی حد تک تو امتیاز مذہب و ملت کا شائبہ تک نہ آنے پائے، مگر جداگانہ قومی مسائل میں کوئی قوم دوسری قوم سے تعرض نہ کر سکے، اور ہر قوم کو آزاد ہندوستان کی حکومت میں اتنی طاقت حاصل ہو کہ وہ اپنے ان مسائل کو خود حل کرنے کے قابل ہو۔

جیسا کہ ہم بار بار کہہ چکے ہیں، ہندوستان کی آزادی کے لیے جنگ کرنا تو ہمارے لیے قطعاً ناگزیر ہے، لیکن ہم جس قسم کی آزادی کے لیے لڑ سکتے ہیں اور لڑنا فرض جانتے ہیں، وہ یہی ہے۔ رہی وہ آزادی جو "وطن پرستوں" کے پیش نظر ہے، تو اس کی حمایت میں لڑنا کیا معنی، ہم تو اسے انگریزوں کی غلامی سے بھی زیادہ مبغوض سمجھتے ہیں۔ ہمارے نزدیک اس کے علمبردار مسلمانوں کے لیے وہی کچھ ہیں جو کلائیو اور ولزلی تھے، اور ان کے پیرو مسلمان کسی حیثیت سے بھی میر جعفر اور میر صادق سے مختلف نہیں ہیں۔ گو صورتیں اور حالات مختلف ہیں مگر دشمنی اور غداری کی نوعیت میں کوئی فرق نہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ یہ آزادی جس کو ہم اپنا مقصود بتا رہے ہیں کس طرح حاصل ہو سکتی ہے؟ مسلمانوں میں آجکل دو گروہ نمایاں ہیں جو دو مختلف تجویزیں پیش کر رہے ہیں۔

ایک گروہ کہتا ہے کہ آزادیٔ وطن کے لیے جو جماعت جد و جہد کر رہی ہے اس کے سامنے اپنے مطالبات پیش کرو اور جب وہ انھیں منظور کرلے تو اس کے ساتھ شریک ہو جاؤ۔

دوسرا گروہ کہتا ہے کہ بلا کسی شرط کے اس آزادی کی تحریک میں حصہ لو۔

ہمارے نزدیک یہ دونوں گروہ غلطی پر ہیں۔ پہلے گروہ کی غلطی یہ ہے کہ وہ کمزوروں کی طرح بھیک مانگنا چاہتا ہے۔ بالفرض اگر اس نے مطالبہ کیا اور انہوں نے مان بھی لیا تو نتیجہ کیا نکلے گا؟ جس قوم میں خود زندہ رہنے اور اپنی زندگی اپنے بل بوتے پر قائم رکھنے کی صلاحیت نہیں اس کو دوسرے کب تک زندہ رکھ سکیں گے؟ رہا دوسرا گروہ تو وہ آزادی کے جوش میں اپنی قوم کی اُن بنیادی کمزوریوں کو بھول جاتا ہے جنہیں گذشتہ اشاعتوں میں ہم تفصیل کے ساتھ بیان کر چکے ہیں۔ اگر ثابت کر دیا جائے کہ وہ کمزوریاں واقعی نہیں ہیں، اور مسلمان درحقیقت اس قدر طاقتور ہیں کہ جدید نیشلزم سے ان کی قومیت اور قومی تہذیب کو کسی قسم کا خطرہ نہیں تو ہم اپنی رائے واپس لینے کے لیے تیار ہیں۔ لیکن اگر یہ ثابت نہیں کیا جا سکتا، اور ہم یقین کے ساتھ کہتے ہیں کہ نہیں کیا جا سکتا، تو پھر صاف سن لیجیے کہ اس مرحلہ پر مسلمانوں کو کانگریس کی طرف دعوت دینا دراصل ان کو خودکشی کا مشورہ دینا ہے۔ محض جذبات سے اپیل کر کے آپ حقائق کو نہیں بدل سکتے۔ جس مریض کی آدھی جان نکل چکی ہے اس کے سامنے سپہ سالار بن کر آنے سے پہلے آپ کو حکیم بن کر آنا چاہیے۔ پہلے اس کی نبض دیکھیے اور اس کے مرض کا علاج کیجیے۔ پھر اس کی کمر سے تلوار بھی باندھ لیجیے گا۔ یہ کہاں کی ہوش مندی ہے کہ مریض تو بستر پر پڑا ایڑیاں رگڑ رہا ہے اور آپ اس کے سرہانے کھڑے خطبے دے رہے ہیں کہ اُٹھ بہادر! اپنی طاقت کے بل پر کھڑا ہو، باندھ کمر سے تلوار اور چل میدان کارزار میں!

یہ دونوں راستے جن لوگوں نے اختیار کیے ہیں ان میں متعدد حضرات ایسے ہیں جن کے لیے ہمارے دل میں غایت درجہ کا احترام موجود ہے۔ ان کے خلوص ایمان میں ہم کو ذرہ برابر شک نہیں مگر ان کی جلالت شان کا پورا پورا ادب ملحوظ رکھتے ہوئے ہم یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ وہ اس وقت مسلمانوں کی غلط رہنمائی کر رہے ہیں، اور اس غلط رہنمائی کا سبب یہ ہے کہ انہوں نے مسلمانوں کی موجودہ پوزیشن اور مستقبل کے امکانات پر کافی غور و خوض نہیں کیا ہے۔

انہیں قدم اٹھانے سے پہلے حسب ذیل حقائق کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیئے:۔

(۱) مسلمانوں کی حیات قومی کو برقرار رکھنے کے لئے وہ چیز بالکل ناگزیر ہے جس کو آج کل کی سیاسی اصطلاح میں "سلطنت کے اندر ایک سلطنت" (Imperium-in-imperio) کہا جاتا ہے۔ ان کی سوسائٹی جن بنیادوں پر قائم ہے وہ استوار ہی نہیں رہ سکتیں جب تک کہ خود ان کی اپنی جماعت میں کوئی قوت ضابطہ اور ہیئتِ حاکمہ موجود نہ ہو۔ ایسی ایک مرکزی طاقت کے بغیر کسی غیر مسلم نظام حکومت میں رہنے کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ ان کا اجتماعی نظام رفتہ رفتہ مضمحل ہو کر فنا ہو جائے اور وہ بحیثیت ایک مسلم قوم کے زندہ ہی نہ رہ سکیں۔

(۲) اٹھارویں صدی کے سیاسی انقلاب نے ہم کو اس چیز سے محروم کر دیا۔ اور اس کی بدولت جو اضمحلال ہماری سوسائٹی میں رونما ہوا اسے ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ ڈیڑھ سو برس تک مسلسل اور پیہم انحطاط کی طرف لے جانے کے بعد یہ انقلاب ہم کو ایک ایسے مقام پر چھوڑ رہا ہے جہاں ہماری جمعیت پراگندہ ہمارے اخلاق تباہ، ہماری سوشل لائف ہر قسم کی بیماریوں سے زار و نزار، اور ہمارے دین و اعتقاد تک کی بنیادیں متزلزل ہو چکی ہیں اور ہم موت کے کنارے پر کھڑے ہوئے ہیں۔

(۳) اب ایک دوسرے انقلاب کی ابتدا ہو رہی ہے جس میں دو قسم کے امکانات ہیں۔ اگر ہم نے اسی غفلت سے کام لیا جس سے گذشتہ انقلاب کے موقع پر کام لیا تھا، تو یہ دوسرا انقلاب بھی اُسی سمت میں جائے گا جس میں پہلا انقلاب گیا تھا، اور یہ اس نتیجہ کی تکمیل کر دے گا جس کی طرف ہمیں اس کا پیش رو لے جا رہا تھا۔ اور اگر ہم غیر مسلم نظام حکومت کے اندر ایک مسلم نظام حکومت (خواہ وہ محدود پیمانہ ہی پر ہو) قائم کرنے میں کامیاب ہو گئے تو انقلاب اپنا رخ بدل دے گا اور ہمیں اپنے نظم اجتماعی کو پھر سے مضبوط کر لینے کا ایک موقع ہاتھ آجائے گا۔

(۴) سلطنت کے اندر ایک سلطنت قائم کرنا کسی سمجھوتے اور کسی میثاق کے ذریعہ سے ممکن نہیں ہے کوئی غیر مسلم سیاسی جماعت، خواہ وہ کتنی ہی فیاض اور وسیع المشرب ہو، اس کے لیے بخوشی آمادہ نہیں ہو سکتی نہ اس کو بحث مباحثہ کی طاقت سے کسی دستوری قانون میں داخل کرایا جا سکتا ہے۔ اور بالفرض اگر یہ ہو بھی جائے تو

ایسی ایک غیر معمولی چیز جس کی پشت پر کوئی طاقت ور رائے عام اور منظم قوت موجود نہ ہو عملی سیاست میں نقش برآب سے زیادہ پائدار نہیں ہوتی۔ درحقیقت یہ چیز اگر کسی ذریعہ سے پائدار بنیادوں پر قائم ہو سکتی ہے تو وہ صرف یہ ہے کہ ہم خود اپنے نظام کی قوت اور اپنے ناقابل تسخیر متحدہ ارادے سے اس کو بالفعل قائم کر دیں اور یہ ایک ایسا حاصل شدہ واقعہ (Accomplished fact) بن کر ہندوستان کے آئندہ نظام حکومت کا جزء بن جائے جس کو کوئی طاقت واقعہ سے غیر واقعہ نہ بنا سکے۔

(۵) یہ کام اس طرح انجام نہیں پا سکتا کہ ہم سر دست انقلاب کو اسی رفتار پر جانے دیں اور اس کی تکمیل ہونے کے بعد جب ہندوستان میں مکمل طور پر ایک غیر مسلم نظام حکومت قائم ہو جائے اس وقت سلطنت کے اندر ایک سلطنت بنانے کی کوشش کریں۔ اس چیز کو صرف وہی شخص قابل عمل خیال کر سکتا ہے جس کو عملی سیاست کی ہوا تک چھو کر نہ گذری ہو۔ ایک ہوشمند آدمی تو ادنیٰ تامل یہ سمجھ لے گا کہ انقلاب کا رخ صرف دوران انقلاب ہی میں بدلا جا سکتا ہے، اور سلطنت کے اندر سلطنت صرف اسی صورت میں بن سکتی ہے جب کہ سلطنت کی تعمیر کے دوران میں اس کی بنا ڈال دی جائے۔

(۶) جس قسم کی تنظیم اس مقصد کے لیے درکار ہے وہ کانگریس کے فریم میں داخل ہو کر نہیں کی جا سکتی۔ کانگریس ایک منظم جماعت ہے، اور ہر منظم جماعت میں یہ خصوصیت ہوتی ہے کہ وہ افراد کو اپنے دائرہ میں لے کر اپنی فطرت اور اپنے مخصوص نفسیات کے مطابق ڈھال لیتی ہے۔ مسلمانوں میں اگر مضبوط اسلامی کیرکٹر اور طاقتور اجتماعی نظم موجود ہو تو البتہ وہ کانگریس کے فریم میں داخل ہو کر اس کے نفسیات اور اصول و مقاصد میں تغیر پیدا کر سکتے ہیں لیکن اس وقت جن اخلاقی کمزوریوں میں مبتلا ہیں ان کو لیے ہوئے منتشر افراد کی صورت میں ان کا اُدھر جانا تو صرف ایک ہی نتیجہ پیدا کر سکتا ہے، اور وہ یہ ہے کہ ہمارے جمہور پر کانگریسی نفسیات کا غلبہ ہو جائے، وہ اکابر کانگریس کی رہنمائی تسلیم کر کے ان کے اشاروں پر چلنے لگیں، اور اسلامی مقاصد کے لیے مسلمانوں میں ایک رائے عام تیار کرنے کے جو امکانات ابھی باقی ہیں وہ بھی ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائیں۔

ہر شخص جس کو خدا نے دیدۂ بینا عطا کیا ہو، اس بات کو بآسانی سمجھ سکتا ہے کہ "نیشنلسٹ" قسم کے مسلمان اگر کانگریس کے اندر کوئی بڑی قوت پیدا کرلیں اور حکومت کے اقتدار میں انہیں کوئی بڑا حصہ مل جائے تب بھی وہ مسلمانوں کے لیے کچھ مفید نہ ہوں گے، بلکہ غیر مسلموں سے کچھ زیادہ ہی نقصان رساں ثابت ہوں گے اس لیے کہ وہ ہر معاملہ میں پالیسی اور طریق کار تو وہی اختیار کریں گے جو ایک غیر مسلم کرے گا، مگر ایسا کرنے کے لیے ان کو اس سے زیادہ آزادی اور جرأت حاصل ہوگی جو ایک غیر مسلم کو حاصل ہو سکتی ہے، اس لیے کہ بدقسمتی سے ان کے نام مسلمانوں کے سے ہوں گے۔

مذکورۂ بالا حقائق کو پیش نظر رکھ کر جب آپ غور کریں گے تو معلوم ہوگا کہ ہمارے لیے اب صرف ایک ہی راستہ باقی ہے، اور وہ یہ ہے کہ ہم ہندوستان کی آزادی کے لیے جنگ میں شریک ہونے سے پہلے اپنی کمزوریوں کو دور کریں، اور اپنے اندر وہ طاقت پیدا کریں جس سے ہندوستان کی آزادی کے ساتھ ہی ساتھ مسلمان کی آزادی کا حصول بھی ممکن ہو اس غرض کے لیے ہم کو اپنی قوتیں جن کاموں پر صرف کرنی چاہئیں وہ حسب ذیل ہیں:-

(۱) مسلمانوں میں وسیع پیمانہ پر اصول اسلام اور قوانین شریعت کا علم پھیلایا جائے، اور ان کے اندر کم از کم اتنی واقفیت پیدا کر دی جائے کہ وہ اسلام کے حدود کو پہچان لیں اور یہ سمجھ سکیں کہ مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہم کن خیالات اور عملی طریقوں کو قبول کر سکتے ہیں اور کن کو قبول نہیں کر سکتے۔ یہ نشر و تبلیغ صرف شہروں ہی میں نہیں ہونی چاہیے بلکہ دیہات کے مسلمانوں کو شہری مسلمانوں سے زیادہ اس کی ضرورت ہے۔

(۲) علم کی اشاعت کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کو عملاً احکام اسلامی کا متبع بنانے کی کوشش کی جائے، اور خصوصیت کے ساتھ ان ارکان کو پھر سے استوار کیا جائے جن پر ہمارے نظام جماعت کی بنیاد قائم ہے۔

(۳) مسلمانوں کی رائے عام کو اس طرح تربیت کیا جائے کہ وہ غیر اسلامی طریقوں کے رواج کو روکنے پر

مستعد ہو جائیں، اور ان کا اجتماعی ضمیر (Social Conscience) احکام اسلامی کے خلاف افراد کی بغاوت کو برداشت کرنا چھوڑ دے۔ اس سلسلہ میں سب سے زیادہ جس چیز کے استیصال پر توجہ صرف کرنے کی ضرورت ہے وہ تشبہ بالاجانب ہے کیونکہ یہی وہ چیز ہے جو ہم کو غیروں میں جذب ہونے کے لیے تیار کرتی ہے۔

(۴) ہمیں اپنی اجتماعی قوت اتنی مضبوط کرنی چاہیے کہ ہم اپنی جماعت کے اُن غداروں اور منافقوں کا استیصال کر سکیں جو اپنی فطری شرارت کی وجہ سے یا ذاتی اغراض کی خاطر اسلامی مفاد کو نقصان پہنچاتے ہیں۔

(۵) ہمیں اس امر کی کوشش کرنی چاہیے کہ مسلمانوں کی قیادت کا منصب نہ انگریز کے غلاموں کو حاصل ہو سکے، نہ ہندو کے غلاموں کو، بلکہ ایک ایسی جماعت کے قبضہ میں آجائے جو ہندوستان کی کامل آزادی کے لیے دوسری ہمسایہ قوموں کے ساتھ اشتراکِ عمل کرنے پر کھلے دل سے آمادہ ہو، مگر اسلامی مفاد کو کسی حال میں قربان کرنے پر آمادہ نہ ہو۔

(۶) مسلمانوں میں اس قدر اتحادِ خیال اور اتحادِ عمل پیدا کر دیا جائے کہ وہ تنِ واحد کی طرح ہو جائیں اور ایک مرکزی طاقت کے اشاروں پر حرکت کرنے لگیں۔

اس وقت مسلمانوں کی جو حالت ہے اس کو دیکھتے ہوئے شائد بعض لوگ یہ خیال کریں گے کہ ایسا ہونا محال ہے۔ خود میرے متعدد دوستوں نے کہا کہ تم خیالی پلاؤ پکا رہے ہو۔ یہ قوم اس قدر گر چکی ہے کہ اب کوئی اعجازی قوت ہی اس کو سنبھالے تو سنبھالے۔ مگر میں سمجھتا ہوں کہ ابھی اس قوم کو سنبھالنے کا ایک موقع، آخری موقع باقی ہے۔ ہمارے خواص خواہ کتنے ہی گر چکے ہوں، مگر ہمارے عوام میں ابھی ایمان کی ایک دبی ہوئی چنگاری موجود ہے۔ اور وہی ہمارے لیے آخری شعاعِ امید ہے۔ قبل اس کے کہ وہ بجھے، ہم اس سے بہت کچھ کام لے سکتے ہیں، بشرطیکہ چند مردِ مومن ایسے اٹھ کھڑے

ہوں جو خلوص نیت کے ساتھ خدا کی راہ میں جہاد کرنے والے ہوں۔

کوئی شخص یہ خیال نہ کرے کہ ہم کانگریس سے تصادم چاہتے ہیں۔ ہرگز نہیں۔ ہندوستانی ہونے کی حیثیت سے تو ہمارا مقصد وہی ہے جو کانگریس کا ہے، اور ہم یہ سمجھتے ہیں کہ اس مشترک مقصد کے لیے ہم کو بالآخر کانگریس ہی کے ساتھ تعاون کرنا ہے۔ لیکن سردست ہم اس سے صرف اس لیے علیحدہ رہنا چاہتے ہیں کہ مسلمان ہونے کی حیثیت سے اپنے مفاد کا تحفظ کرنے کے لیے ہم کو جس اخلاقی قوت اور اجتماعی نظم کی ضرورت ہے وہ ہم میں نہیں ہے۔ ہم سب سے پہلے اپنی ان کمزوریوں کو دور کرنا چاہتے ہیں، اور اس غرض کے لیے ہم کو ایسی فضا درکار ہے جو مزاحمت اور تصادم سے پاک ہو۔ پس اگر کانگریس ہم سے تعرض کیے بغیر اپنا کام جاری رکھے تو ہمیں اس سے لڑنے کی کوئی ضرورت نہیں، بلکہ اس کے برعکس ہماری ہمدردیاں، مشترک ہندوستانی مقاصد کی حد تک، اس کے ساتھ رہیں گی۔ البتہ اگر وہ ہماری غیر منظم جماعت کو اپنے نظم میں جذب کرنے کی کوشش کرے گی، اور براہ راست ہمارے عوام میں "وطن پرستی" اور اشتراکیت کی تبلیغ شروع کر دے گی اور اس غرض کے لیے ہماری قوم کے اُن منافقوں سے کام لے گی جن کی حیثیت ہماری نگاہ میں دوسری قسم کے منافقوں (یعنی انگریزی اقتدار کے ایجنٹوں) سے کچھ بھی مختلف نہیں، تو اس صورت میں ہم کو مجبوراً اس سے لڑنا پڑے گا، اور اس لڑائی کا تمام تر الزام خود اُسی پر عائد ہوگا۔

پنڈت جواہر لال نہرو، اپنی موجودہ پالیسی کو حق بجانب ثابت کرنے کے لیے یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ اپنے مسلک کی تبلیغ کرنا اور مخالف خیالات رکھنے والوں کو تبدیل خیال (Conversion) پر آمادہ کرنے کی کوشش کرنا ہر جماعت کا حق ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ اگر آپ کو

یہ حق حاصل ہے تو ہم کو بھی جوابی تبلیغ کا حق پہنچتا ہے۔ وطن پرستی اور اشتراکیت کی تبلیغ ہماری نگاہ میں شدھی کی تبلیغ سے کچھ بھی مختلف نہیں۔۔ دونوں کا نتیجہ ایک ہے۔ اور دونوں کی مزاحمت ہمارے لیے ناگزیر ہے۔ اگر آپ اس تصادم کے لیے تیار ہیں، اور اس کو ہندوستان کے مستقبل کے لیے مفید سمجھتے ہیں تو یہ آپ کی سخت نادانی ہے۔